باب ششم

اُمت محمدیہ ﷺ میں ولایت کی بقا

حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت سے قبل جتنے بھی انبیاء اور مصلحین ہوگزرے ہیں، ان کی تعلیم و ہدایت اپنی اپنی قوم کے لیے مخصوص اور ایک زمانے تک محدود تھی۔ لیکن پیغمبر آخر الزماں کو خاتم النبیین بنا کر تمام دنیا کی طرف مبعوث کیا گیا اور آپ کو کامل ترین دین اور مکمل ترین کتاب عطا کی گئی۔ جس کے اصول قیامت تک پیش آنے والے مسائل کا حل پیش کرتے رہیں گے۔

قرآن کریم نے آپ ﷺ کے خلق کو خلق عظیم کہا اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کو اسوۃ حسنہ قرار دیکر رہتی دنیا تک آنے والے انسانوں کے لیے رشدو ہدایت کا مخزن بنایا اور اُمت محمدیہ ﷺ کو سابقہ تمام اُمتوں پر فضیلت بخش دی۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

''اے اُمت محمدیہ تم سب اُمتوں میں سے بہتر ہو''

مزید ارشاد ہوا:

''میں نے تم کو اُمت واسطہ یعنی عادل بنایا''

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حکایت ہے کہ جب انہوں نے اس اُمت کی تعریف و فضیلت دیکھی تو بارگاہ خداوندی میں التجا کی الٰہی اس گروہ کو میری اُمت بنا دے۔ حکم ہوا اس کو تمہاری اُمت نہ بناؤ نگا۔ کیونکہ وہ میرے حبیب ﷺ

کی اُمت ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ الٰہی اگر ان کو میری اُمت نہ بنایا تو ان کی زبان میرے حق میں سچی رکھنا۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا منظور ہوئی۔ ساری اُمت محمدیہ ﷺ نے نبوت وخلعت ابراہیمی کا اقرار کیا اور یہی وجہ تھی کہ فخر دو عالم ﷺ نے حکم الٰہی التحیات کے بعد درود ابراہیمی مقرر فرمایا اور دیگر مقامات پر بھی ان کو شامل دعا کیا۔

انسانیت کی ہدایت و راہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسالت و نبوت کا جو طویل اور نورانی سلسلہ قائم فرمایا وہ حضور ﷺ کی نبوت پر پورے کمال کے ساتھ ختم ہوگیا۔ لیکن اس تغیر پذیر رواں دواں کاروان حیات کے زاویے فطری اصولوں سے ہم آہنگ رکھنے کے لیے قیامت تک ہدایت و راہنمائی کے لیے ایک مربوط نظام کی قدم بہ قدم اور لمحہ لمحہ ضرورت تھی، جس کی تکمیل کے لیے حق تعالیٰ نے ہر دور میں صاحبان علم وفکر کا تسلسل قائم رکھا۔ جنہوں نے حسب توفیق اور حسب صلاحیت اس پیغمبرانہ مشن کو آگے بڑھایا اس لیے ہادی عالم ﷺ نے فرمایا:

''میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں''

مدعا یہ ہے کہ دعوت حق کا جو فریضہ سابقہ اُمتوں کے انبیاء و رسل انجام دیتے تھے۔ اب قیامت تک یہ احساس ذمہ داری اُمتِ مصطفوی کے علماء کے کاندھوں پر عائد رہے گی اور قیامت تک اس اُمت میں ولایت قائم رہے گی۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ میری اُمت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مدد کی جائے گی اور کسی کا مدد نہ کرنا ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

امام بوالقاسم قشیریؒ نے اپنے رسالہ میں فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس گروہ صوفیا کو برگزیدہ فرمایا اور انبیاء کے بعد اپنے تمام بندوں پر فضیلت دی ہے اور ان کے قلوب کو اسرار کا مرکز و معدن بنایا ہے اور اُمت محمدیہ ﷺ میں سے انہیں انوار و برکات کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔ انہیں کدروتِ بشریہ سے پاک

کر کے مشاہدات کے بالا خانوں پر چڑھا دیا ہے کہ ہر وقت حضوری کے مزے لیتے ہیں۔ انہیں حق تعالیٰ نے عبودیت کے آداب قائم رکھنے کی توفیق عطا کی ہے۔ پھر رسالہ کے آخر میں فرمایا کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔

ایک اہل نقل و اثر دوسرے اہل عقل و فکر۔ لیکن اس پاک جماعت کے شیوخ ان دونوں قسموں سے سبقت لے گئے ہیں۔ جو شے لوگوں کے نزدیک غائب ہے وہ ان کے نزدیک حاضر ہے جو اوروں کا مقصود ہے وہ ان کے پاس موجود ہے وہ اہل وصال اور دوسرے اہل استدلال ہیں۔ فرمایا ہر زمانے میں اس پاک جماعت سے ایک ایسا شیخ کامل ہوتا ہے کہ اسے اللہ کی بارگاہ میں بڑا درجہ حاصل ہوتا ہے اور وہ قوم کا امام ہوتا ہے اس وقت کے تمام علماء اس کے مطیع ہوتے ہیں اور اس کے سامنے سب خشوع و تواضع کرتے ہیں اور اس کی صحبت سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

حُب رسالتمآب ﷺ انسانی معراج وکمال کی کُنجی

حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ میں حسن و جمال و کمال کا ایک مخفی خزانہ تھا۔ خواہش ہوئی کہ پہچانا جاؤں، اس لیے خلقت پیدا کی۔ رب العالمین نے اپنا حسن و جمال دیکھنے کے لیے جس آئینے کی خواہش کی وہ درحقیقت آئینہ محمدی ﷺ تھا آپ ہی حق تعالیٰ کی ذات وصفات کے مظہراتم ہیں۔ وجود کے تمام مراتب میں انسان افضل ہے اور جملہ افراد انسانی میں فخر موجودات فخر المرسلین حضرت محمد ﷺ سب سے افضل واکمل وارفع ہیں۔ آپ ﷺ ہی حق تعالیٰ کے خلیفۂ برحق اور کامل ترین انسان ہیں۔ آپ ہی باعث تخلیق کائنات ہیں ارشاد ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا اور پھر میرے نور سے ساری کائنات تخلیق کی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اے پیغمبر اگر آپ نہ ہوتے تو میں کچھ بھی پیدا نہ کرتا''

اسی لیے قرآن نے سب سے زیادہ ترجیح محبت رسول ﷺ کو دی۔ یہ محبت محض ظاہری اور رسمی مطلوب نہیں بلکہ ایسی محبت کا تقاضا کیا گیا ہے جو دیگر تمام دنیاوی محبتوں پر غالب آ جائے۔ کیونکہ حضور ﷺ کی محبت ہی میں اصل فلاح و کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ جیسے آپ ﷺ فرماتے ہیں ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک اسے مجھ سے اپنے والدین و اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبت نہ ہو'' مزید ارشاد ہوتا ہے:

''نبی تو مومنوں کو اپنی جانوں سے بھی بڑھ کر ہیں'' (القرآن)

غرض آپ کی ذات گرامی ہی وہ روحانی سرچشمہ اور منبع فیض ہے جس کی وابستگی انسانوں کو محبوبیتِ حق کا بلند ترین مقام عطا کرتی ہے۔ جس طرح حضور ﷺ اپنے زمانے میں تمام ظاہری و باطنی فیوض و برکات اور رشد و ہدایت کا مخزن تھے۔ اسی طرح آج بھی اور آج کے بعد قیامت تک بلکہ بہشت میں بھی مسلمانوں کے لیے رسالتمآب ہی تمام روحانی فیوض و برکات کا منبع و مصدر رہیں گے۔ لیکن چونکہ حضور ﷺ کی باطنی توجہات کے ساتھ ساتھ ظاہری ہادی و راہنما کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے یہ کام آپ کے خلفاء کے ذریعے قیامت تک انجام پاتا رہے گا۔ چنانچہ علماء راسخین اولیاء کاملین و واصلین و مقربین حضور ﷺ کے نائب اور خلفاء ہیں اور آپ ہی کی بدولت متابعت اور محبت سے انھیں یہ مراتب، ظلی طور پر عطا ہوئے ہیں۔

اتباع باطنی

حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت جزو ایمان ہے اللہ کریم نے اس کو اپنی اطاعت کہا۔ جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ مزید ارشاد ہوا:

''کہہ دیجئے کہ اے مسلمانوں اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو

میری اتباع کرو۔حق تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تم اللہ کے
محبوب بن جاؤ گے۔''

روحانیتِ اسلام کے مصنف نے اس اتباع کی تشریح یوں لکھی ہے۔ اس آیت میں جس اتباع نبوی ﷺ کا حکم آیا ہے اس سے مراد صرف آپ ﷺ کی ظاہری اتباع نہیں بلکہ باطنی اتباع بھی شامل ہے۔ ظاہری اتباع سے مراد رسول خدا ﷺ کے ظاہری افعال و اعمال ، حرکات و سکنات ، لباس بود و باش کی پیروی ہے اور باطنی اتباع سے مراد رسول خدا ﷺ کے باطنی کمالات، مثلاً فنا فی الله ، بقا با الله ،قرب و معرفت الٰہی کشف و کرامات اور عشق الٰہی کا حصول ہے۔ چونکہ اسلام ساری دنیا کے لیے ہے اور قیامت تک رہے گا اس لیے حق تعالیٰ نے اسلام کی ظاہر و باطنی فیوض و برکات کو جاری رکھنے کا وعدہ فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ زمانہ ارباب باطن یعنی اولیاء کرام کے وجود سے کبھی خالی نہیں رہا اور نہ رہے گا۔ اسلام کی یہ باطنی تعلیمات کا نظام سلاسلِ طریقت کی صورت میں ابتداء اسلام سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ جس کے ذریعے عوام کی راہنمائی اور قرب و معرفت حق تک رسائی ہوتی رہے گی اور ہر زمانے میں اولیاء اللہ وجود میں آتے رہیں گے حضرت سہل تشتری فرماتے ہیں۔

عارف کو تین علم عنایت ہوتے ہیں

☆ ایک علم ظاہری یعنی شریعت ہے کہ تمام جن و انس کو تعلیم فرماتا ہے۔
☆ دوسرا علم باطن یعنی طریقت کہ سوائے ان لوگوں کے جو اس کے اہل ہیں تمام کو تعلیم نہیں کر سکتا۔
☆ تیسرا علم معرفت یعنی فقر و فنا ہے اور تصوف میں یہ سب سے افضل و اعلیٰ مرتبہ ہے اور یہ راز الٰہی ہے۔

کہ بغیر حکم خاص کے اس کو بیان کرنے کی اجازت نہیں ہوتی اس لیے فقر کی تعلیم سینہ بہ سینہ ہوتی ہے اور یہ امانت اسی کے سپرد کی جاتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ

نے اس کے حصول کی قابلیت عطا فرمائی ہو امام غزالی لکھتے ہیں:

جس طرح باقی علوم کا حاصل کرنا فرض ہے اسی طرح علم السلوک بھی فرض ہے آپ نے اس علم کو علم احوال القلب سے موسوم فرمایا ہے۔ چنانچہ شریعت کا تابع بن کر حق تعالیٰ کی عبادت میں لگنا اور پختگی و استقامت کے ساتھ رضائے حق کا متلاشی رہنا طریقت کہلاتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

'' طریقت میرے اعمال، حقیقت میری باطنی کیفیت اور معرفت میرا راز ہے۔ گویا طریقت کی دعوت حقیقت میں شریعت کی اتباع کے سوا کچھ نہیں۔''

سہل تشتری فرماتے ہیں:

''راہ طریقت کے سات اصول ہیں۔ کتاب الٰہی کو مضبوط سے پکڑنا، سنت نبویہ ﷺ کا ادا کرنا رزق حلال کھانا، مخلوق کو تکلیف پہنچانے سے باز رہنا، توبہ کرنا اور جملہ حقوق کا ادا کرنا ہے۔''

حضرت داتا گنج بخشؒ کشف والمحجوب میں لکھتے ہیں:

''اور جس نے اہل تصوف کی دعوت سُنی اور اُسے نہ مانا تو وہ اللہ کے نزدیک غافلین میں لکھا جائے گا۔

صراط مستقیم کن لوگوں کا راستہ ہے

رسول کریم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ ہمیں قرآن اور صاحب قرآن کے قرب کا شرف بخشتا ہے اور ہماری سیرتوں کو سنوارتا ہے۔ چنانچہ جو رسول اللہ سے کتاب اللہ سے اور خود اللہ سے قریب تر ہیں، اُن اولیاء کرام کی سیرتوں میں بھی ہمیں سیرت رسول ﷺ ہی کا عکس ملتا ہے۔ وہ بھی زندگی کے لق و دق صحرا میں جا

بجا روشن چراغ ہیں۔ ان کی روشنی بھی ہمیں منزل مقصود تک پہنچنے میں ہماری راہنمائی کرتی ہے یہ اولیاء کرام نبیوں ہی کے جانشین ہوتے ہیں حق تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کی ذات و صفات کو سمجھنے کے لیے بارگاہ رسولِ مقبول تک پہنچنا ضروری ہے کہ وہاں پہنچے بغیر ہمیں وہ راہ نہیں ملتی جو صراط مستقیم ہے۔ صراط مستقیم کا پہچاننا ہی سب سے بڑا علم اور سب سے بڑی کامیابی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

''بتلا دیجئے ہم کو راستہ سیدھا، راستہ اُن لوگوں کا جن پر آپ نے اپنا انعام فرمایا۔ (الفاتحہ)

یہ ایک جامعہ دعا ہے جو انسان کو سکھلائی گئی ہے۔ صراط مستقیم دین کا وہ سیدھا راستہ ہے جس میں نہ افراط ہو اور نہ تفریط۔ اب سیدھی راہ کی مزید تشریح اس آیت میں کی گئی۔ راستہ اُن لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا۔ اللہ رب العزت نے اپنے فضل و کرم سے ان ہدایتوں کے عملی نمونے بھی انسانوں میں کثرت سے بھیج دیئے تا کہ ان نفوس قدسیہ کی پاکیزہ زندگی سامنے رکھ کر صراط مستقیم پر چلنا ہمارے لیے اور آسان ہو جائے۔ چنانچہ یہ دعا سکھائی گئی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے لوگوں کے نقش قدم پر چلائے جن پر اُس نے اپنا فضل و انعام نازل فرمایا۔ ان انعام یافتہ لوگوں کا ذکر سورۃ نساء میں تفصیل سے آیا ہے:

''یعنی وہ لوگ جن پر اللہ کا انعام ہوا انبیاء صدیقین شہدا اور صالحین ہیں۔''

اس آیت میں مثبت اور ایجابی طریق سے صراط مستقیم کو متعین کیا گیا۔ کہ ان چار طبقوں کے حضرات جس راستے پر چلیں وہ صراط مستقیم ہے۔ چناچہ یہ سیدھا راستہ کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں کے مجموعے سے ملتا ہے۔ یہاں ایک بات قابل غور ہے اور اس میں غور کرنے سے ایک بڑے علم کا دروازہ کھلتا ہے۔ وہ یہ کہ صراط مستقیم کی تعین کے لیے بظاہر صاف بات یہ تھی کہ صراط الرسول یا صراط

القرآن فرما دیا جاتا جو مختصر بھی تھا اور واضح بھی۔ کیونکہ پورا قرآن درحقیقت صراط مستقیم کی تشریح ہے اور پوری تعلیمات رسول ﷺ اسی کی تفصیل۔ لیکن قرآن کی اس مختصر سورت میں اختصار اور وضاحت کے اس پہلو کو چھوڑ کر صراط مستقیم کی تعین کے لیے اللہ تعالیٰ نے مستقل دو آیتوں میں ایجابی و سلبی پہلوؤں سے صراط مستقیم کو اس طرح متعین فرمایا کہ اگر سیدھا راستہ چاہتے ہو تو ان لوگوں کو تلاش کرو اور ان کے طریق کو اختیار کرو۔ قرآن حکیم نے اس جگہ یہ نہیں فرمایا کہ قرآن کا راستہ اختیار کرو۔ کیونکہ محض کتاب انسانی تربیت کے لیے کافی نہیں اور نہ یہ فرمایا کہ رسول کا راستہ اختیار کرو کیونکہ رسول کریم ﷺ اس دنیا میں آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس لیے صراط مستقیم جن لوگوں کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے اُن میں نبیّن کے علاوہ ایسے حضرات بھی شامل کر دیئے گئے ہیں جو تا قیامت ہمیشہ موجود رہیں گے۔ مثلاً صدیقین شہداء اور صالحین۔ خلاصہ یہ ہے کہ سیدھا راستہ معلوم کرنے کے لیے حق تعالیٰ نے کچھ رجال اور انسانوں کا پتہ دیا ہے۔ کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ اصل میں انسان کا مُعلّم اور مرّبی انسان ہی ہو سکتا ہے محض کتاب مُعلّم و مرّبی نہیں ہو سکتی۔ بقول اکبر مرحوم:

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی آدمی بناتے ہیں

قرآن و حدیث کا محض مطالعہ انسان کی تعلیم اور اخلاقی تربیت کے لیے ہرگز کافی نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کو کسی محقق ماہر سے باقاعدہ حاصل نہ کیا جائے۔ اس معاملے میں بہت سے لکھے پڑھے اس مغالطے میں متبلا ہیں کہ محض ترجمے یا تفسیر کو دیکھ کر وہ قرآن کے ماہر ہو سکتے ہیں۔ یہ تصور بالکل فطرت کے خلاف ہے۔ اگر محض کتاب کافی ہوتی تو رسولوں کے بھیجنے کی ضرورت نہ تھی۔ کتاب کے ساتھ رسول کو معلم بنا کر بھیجنا اور صراط مستقیم کو متعین کرنے کے لیے اپنے مقبول بندوں کی فہرست دینا اس بات کی دلیل

ہے کہ محض کتاب کا مطالعہ تعلیم و تربیت کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کے لیے کسی ماہر سے سیکھنے کی ضرورت ہے۔

ولایت کسے کہتے ہیں

اسلام کے باطنی فیضان کا نام ولایت ہے۔ جس شخص پر یہ فیضان ہوتا ہے اسے ولی اللہ کہتے ہیں۔ یہ کوئی خود ساختہ یا من گھڑت نام نہیں بلکہ بارگاہ خداوندی سے عطا کردہ ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

''اچھی طرح جان لو کہ اولیاء اللہ وہ طبقہ خاصان حق ہے جن کو نہ خوف ہے اور نہ غم''

فیضان ولایت کا سرچشمہ خود نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ حضور ﷺ کے ظاہری وصال کے بعد رشد و ہدایت کی یہ ذمہ داری آپ ﷺ کے خلفاء پر عائد ہوتی آئی ہے۔ لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا تن آسانی اور سہل انگاری کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر ریاضات و مجاہدات کا جذبہ کم ہوتا گیا اور زیادہ تر لوگوں نے اسلام کے ظاہری احکام کو ہی کافی سمجھ لیا اور اس کے باطنی فیضان کو نظر انداز کردیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ہر زمانے میں اولیاء کرام کے ذریعے ظاہری احکام کے ساتھ ساتھ خاص الخاص اکابرین کے لیے باطنی فیض کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ولایت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک ولایتِ عام جو اللہ تعالیٰ کی عداوت و دشمنی سے باہر نکل آنے کا نام ہے اور حق تعالیٰ کی عداوت کفر و نفاق ہے۔ یہ ولایت تو جملہ مومنین کو حاصل ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

اللہ ولی ہے مومنین کا کہ ان کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کے نور کی طرف لاتا ہے۔

دوسری ولایتِ خاص ہے جو ان لوگوں کا حصہ ہے جن کی عبادات ریاضات و مجاہدات بغیر کسی سستی اور کوتاہی کے متواتر جاری رہتے ہیں۔ چنانچہ

ولایت خاصہ مسلسل نزکیہ نفس عبادات ومجاہدات کے علاوہ کسی ولی کامل کی باطنی توجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ نعمت حضور نبی کریم ﷺ سے سینہ بہ سینہ اور پشت بہ پشت آ رہی ہے اور جب بھی کسی سالک کو خلافت ملتی ہے تو رسول اللہ کی اجازت سے ملتی ہے۔

ضرورتِ شیخ

جس طرح دنیا کے دیگر علوم حاصل کرنے کے لیے کسی نہ کسی استاد کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح طریقت کی منازل طے کرنے اور حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے بھی استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں ایسے استاد کو شیخ کہتے ہیں۔ لفظ شیخ کی اصل یہ حدیث قدسی ہے۔ شیخ اپنے قبیلے میں اس طرح ہے جس طرح ایک نبی اپنی اُمت میں۔ قرآن حکیم میں ضرورتِ شیخ کو یوں بیان کیا گیا ہے:

> ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچے کے لیے وسیلہ تلاش کرو۔ (آل عمران)

آیت میں دو باتوں کا حکم نازل ہوا ہے:

☆ ایک اللہ تک رسائی حاصل کرنا۔

☆ دوم رسائی حاصل کرنے کے لیے وسیلہ تلاش کرنا۔

وسیلہ سے مراد مرشد، شیخ یا پیر ہے۔ تمام معتبرین کے نزدیک وسیلے سے مراد شیخ طریقت ہے۔ کیونکہ یاایھا الذین امنو کا خطاب ان لوگوں سے کیا گیا ہے جو ایمان لا چکے ہیں۔ حضرت عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز دہلوی جو اہل طریقت اور اہل حدیث دونوں میں مقبول ہیں، وسیلہ سے مراد شیخ لیتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے پوتے شاہ اسماعیل شہید جو مخالفین تصوف کے

امام مانے جاتے ہیں وہ بھی اپنی کتاب منصب امامت میں قرآن کے اس لفظ سے مراد شیخ لیتے ہیں آپ لکھتے ہیں:

''مراداز وسیلہ شخصے است کہ اقرب الیٰ باالله درمنزلت''

''وسیلہ سے مراد وہ شخص ہے جو اقرب الی اللہ ہو یعنی مقرب بارگاہ ہو''

جولوگ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن کی موجودگی میں شیخ کی کیا ضرورت ہے؟ ان سے پوچھا جائے کہ قرآن کی موجودگی میں نبی کی کیا ضرورت تھی چنانچہ جس طرح صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ کی ضرورت تھی آج بھی ہمیں وہی ضرورت درپیش ہے۔ جس طرح زمانہ نبوت میں حضور ﷺ کے بغیر ہدایت ناممکن تھی اب بھی نائب رسول اللہ کے بغیر ہدایت ناممکن ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ اولیاء کرام ہی سالکین راہ طریقت کو فیض تقسیم کرتے ہیں اور حقیقتاً وہی ہدایت الٰہی کا وسیلہ بنتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ پہلے تصوف اور صوفیائے کرام کی مخالفت میں بہت مشہور تھے۔ لیکن جب بعد میں حضرت بشر حافیؒ کی صحبت میں رہ کر حلاوتِ ایمانی نصیب ہوئی تو جو شخص احکام شریعت ان سے دریافت کرنے آتا تو خود بتا دیتے۔ لیکن جب کوئی شخص راہ حقیقت دریافت کرنے آتا تو حضرت شیخ بشر حافیؒ کے پاس بھیج دیتے تھے یہ دیکھ کر ان کے شاگردوں کو بہت غیرت آئی اور عرض کیا کہ آپ اتنے بڑے عالم ہو کر لوگوں کو ایک صوفی کے حوالے کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ کے احکام کا علم ہے اور ان کو خود اللہ کا علم ہے۔ اس لیے حق کی تلاش کرنے والوں کو ان کے پاس بھیجتا ہوں۔ جیسے کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے: '' کونو مع الصادقین '' یعنی صادقین کی صحبت اختیار کرو اس میں صادقین یعنی اولیاء اللہ کی صحبت اور تربیت کا حکم وارد ہوا ہے۔ قرآن حکیم میں مقربین حق کے مراتب اس طرح بیان ہوتے ہیں۔ انبیاء، والصدیقین، والشہداء والصالحین۔

سب سے بلند مرتبہ انبیاء کا ہے ان کے بعد صدیقین پھر شہدا اور اس کے بعد صلحا یعنی عام نیک لوگ صدیقین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا ایمان عام لوگوں کی طرح تقلیدی نہیں بلکہ صدیقی ہوتا ہے۔

چنانچہ ''کونو مع الصادقین'' سے مراد وہ ارباب رشد و ہدایت ہیں جو صادق الحال ہیں اور مرتبہ علم الیقین سے گزر کر عین الیقین اور حق الیقین تک پہنچ چکے ہیں اور یہی مرتبہ احسان ہے۔ جیسے ارشا نبوی ﷺ ہے:

''تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ جیسے کہ تم اُسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اُسے نہیں دیکھ سکتے ہو تو یہ خیال پکا کر لو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے''

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے پوچھا گیا، کیا آپ نے حق تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ آپ نے جواب دیا میں ایسے خدا کی عبادت کیسے کر سکتا ہوں جسے دیکھ نہ لوں، مزید تفصیل پوچھی گئی آپ نے فرمایا! رب تعالیٰ کو ظاہری آنکھوں سے نہیں بلکہ روحانی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے یہی وجہ تھی کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں''

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا قول مشہور ہے۔ جو آپ فرمایا کرتے تھے کہ:

''ہم اہل بیت کشتی نوح کی طرح ہیں جو اس میں سوار ہوا پار ہو جائے گا''

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے چار خلفاء تھے۔

حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ، حضرت امام حسن بصریؒ اور حضرت امام کمیلؒ۔ ان چار اکابرین سے چودہ بڑے سلسلے جاری ہوئے اور حضور ﷺ کی روحانی نعمت اور فیض سینہ بہ سینہ تمام مشائخ سلسلہ کے ذریعے آج تک اُمت میں جاری ہے۔

بیعت کی اہمیت

تمام صوفیائے کرام نے بیعت کو سنت قرار دیا اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی اس کو سنت رسول میں شامل کیا۔ کچھ مشائخ کے مطابق بیعت اسلام سُنت ، بیعت ہجرت فرض ، بیعت جہاد واجب اور بیعت طلب الاسرار اور بیعت توبہ مستحب ہے۔

ایمان باللہ کے ساتھ حق تعالیٰ نے اپنے نائب حضور نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کو ضروری قرار دیا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

''اے نبی جو لوگ آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہے۔''

اس آیت میں نہ صرف انسانِ کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنا ثابت ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ بھی قرار دیا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیعت ضروری ہے تو آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے خلفاء کے ساتھ بھی بیعت کی وہی اہمیت ہے۔

اگرچہ بیعت کسی ولی کامل کے ہاتھ پر کی جاتی ہے لیکن سلسلہ بہ سلسلہ نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں تک پہنچتی ہے اور بالآخر خدا پر منتہیٰ ہوتی ہے۔ بیعت کا مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف راہنمائی حاصل کرنا ہے۔ یہ ایک قسم کا عہد نامہ ہے جس میں طریقت کے اعتبار سے مرید کی تربیت کی جاتی ہے مثلاً ادب سکھانا، اپنی ذات کی صفائی کرنا ، رذائل کو دور کرنا ، نفس اور روح کو پاک کرنا ، سرخداوندی کا متحمل ہونا، اخلاق کا مہذب ہونا۔ وصل الٰہی کا حصول، بیعت کے مقاصد میں شامل ہے۔ مرید بالآخر تلاش حق اور مقامات فتح حاصل کرنے کے بعد پیر کے نور کا وارث بنتا ہے۔

حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ عادت الٰہی اس بات پر جاری ہے کہ اس دنیا میں ایک پیر اور ایک مرید ہو۔ ایک مقتدا اور دوسرا مصاحب ہو ایک پیشوا اور دوسرا پیروکار ہو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اُستاد بنایا اور فرشتوں کو ان کا تابع کیا۔ (غنیۃ الطالبین)

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں پیر کامل کی صحبتِ کے بغیر کوئی شخص صوفی اور عارف باللہ نہیں بن سکتا۔ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہوتا ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں۔ کوئی لوہا خود بخود تیز خنجر نہیں بن سکتا جب تک وہ کسی لوہار کے ہاتھ نہیں چڑھتا۔ میں خود بھی مولائے روم نہ بن سکتا تھا جب تک شمس تبریز کی غلامی میں نہ آیا۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزے نہ شد

وسیلہ کی اہمیت

مخلوقات میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور محبوب اعمال اور ہستیوں کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنانا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔ دعاؤں کے مقبول ہونے اور حاجتوں کے بر آنے کا ذریعہ ہے۔ اسے ناجائز اور شرک قرار دینا قطعًا غلط ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب اور مکرم ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کی ذات اقدس اہم ترین اور مقبول ترین وسیلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی اسمِ محمد ﷺ کو وسیلہ بنا کر اپنی بخشش کی دعا مانگی۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ جب آدم علیہ السلام سے سہواً خطا سرزد ہوگئی تو انھوں نے عرض کیا، اے میرے رب میں تجھ سے محمد ﷺ کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''اے آدم ﷺ جب تو نے ان کے وسیلے سے بخشش چاہی ہے تو میں نے تجھے بخش دیا۔

ابن منظور لفظ وسیلہ کی تحقیق کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ما یتوسل بہ الی الغیر ''یعنی جس چیز کے ذریعے کسی تک پہنچا جائے۔ کسی مقبول بارگاہ شخص کی توجہ، وساطت، دعا یا ذات کے خصوصی فیضان سے کچھ ایسے فیوض وفوائد حاصل ہو جائیں جو پہلے حاصل نہیں تھے، اسے وسیلہ کہتے ہیں۔ ایمان، نیک اعمال اور پیروی سنت ﷺ اور گناہوں سے بچنا یہ سب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا وسیلہ ہیں اور مرشد کامل جو اپنی روحانی توجہ سے مرید کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اتار دے۔ دل میں یاد الٰہی کی تڑپ پیدا کر دے اس کے وسیلہ ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے۔

سرور دو عالم ﷺ سے ولی خاص کی تعریف پوچھی گئی کہ یا رسول اللہ ﷺ اولیاء اللہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ وہ لوگ جن کو دیکھ کر خدا یاد آ جائے۔ ایسے عظیم المرتبت برگزیدہ صفات والے بندے جن کے دلوں میں معرفت الٰہی کی شمع روشن ہو۔ رب کی رضا اور اطاعت ایسے لوگوں کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہوتا ہے۔ اس قرب ومحبت کی وجہ سے وہ انفرادی شان کے ساتھ اُبھرتے ہیں اور عام لوگوں سے بلند ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کا محترم، صاحب توقیر اور وسیلہ ہونا قرآن وسنت سے ثابت ہے۔

امام غزالی ؒ کے نزدیک صوفیاء کی سیرت بہترین سیرت ہے اور جس کے اسوہ پر چل کر روح اور قلب کو زیادہ سے زیادہ ارتقاء سے ہمکنار کیا جا سکتا ہے اور صوفیاء کا بتایا ہوا طریقہ ہی بہترین اور افضل ترین طریقہ ہے۔ جو حصول مقصد یعنی تزکیہ قلب و روح کا بہترین وسیلہ ہے۔ اور صوفیاء کے اخلاق ہی سب سے برتر اور اعلیٰ ہیں جن کی روشنی میں زندگی کا قافلہ سرگرم عمل ہے۔ غرض صوفیاء کے جمیع حرکات وسکنات، ان کا ظاہر و باطن، ان کی سیرت وصورت، ان کے اخلاق و

عادات، ان کے اوضاع و اطوار، ان کے اقوال و اعمال یہ سب کے سب مشکوٰۃ نبوت کے نور سے روشنی اور فیض پا رہے ہیں۔ ان کے علاوہ اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے کوئی اور نور ایسا نہیں ہے جس سے وہ مستفید ہوسکیں۔

حضرت سچل سرمستؒ فرماتے ہیں۔ عشق الٰہی کی انتہا حاصل کرنے کے لیے عاشق کو بتدریج تین منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول (ﷺ)، فنا فی اللہ

جب تک کوئی عاشق فنا فی الشیخ نہیں ہوتا۔ فنا فی الرسول (ﷺ) کی منزل کو نہیں پا سکتا اور جب تک فنا فی الرسول (ﷺ) نہ ہو معرفت الٰہی کی منزل تک اس کی رسائی ناممکن ہے فرماتے ہیں:

''اگر تم شریعت و طریقت اور معرفت کی منزلیں طے کر کے اللہ اور اس کے حبیب رسول اکرمﷺ کے دیدار سے مشرف ہونا چاہتے ہو تو اپنے مرشد اور پیر طریقت کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھو۔ اس کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دو۔''

وسیلہ شیخ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایک دن ایک فقیر ایک دریا کو پار کر کے دوسری طرف جانے کے لیے جسم سے کپڑے اتارنے کی تیاری کر رہا تھا۔ کہ وہاں کے گاؤں سے ایک اور آدمی بھی آ گیا۔ نووارد نے کہا کہ اے فقیر یہاں تو دریا پار کرنے کے لیے کوئی کشتی نہیں تو کیسے دریا پار کرے گا وہ بولا میں اللہ اللہ کہتا ہوا دریا سے پار اُتر جاؤں گا۔

نووارد نے کہا مجھے بھی ساتھ لے چلو کیونکہ مجھے بھی دوسرے گاؤں جانا ہے۔ فقیر نے کہا اچھا تو بھی کپڑے اتار کر تیاری کر لے اور دریا میں اُتر آ میں اللہ اللہ کا ورد کرتا ہوا دریا پار کروں گا اور تو میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر میرے نام کا ورد کرتے جانا۔ کہ تو بھی دریا پار اُتر جائے اجنبی بھی فقیر کے ہمراہ دریا میں اُتر گیا جب دریا کے بیچ میں پہنچے تو اجنبی نے سوچا یہ خود تو اللہ اللہ کا ورد کرتا ہے اور میں

اس کے نام کا ورد کرتا ہوں یہ تو گناہ ہے۔ میں بھی اللہ کے نام کا ورد کروں گا۔ یہ سوچ کر اُس نے بھی اللہ اللہ کہنا شروع کر دیا۔ خدا کی قدرت کہ وہ اس طرح کرنے سے ڈوبنے لگا۔ فقیر نے یہ دیکھا تو کہا دیکھا تم نے میری نصیحت پر عمل نہیں کیا اور ڈوبنے لگے۔ اب بھی میرے نام کا ورد کرو پار اُتر جاؤ گے تم شک کے بھنور میں پھنس گئے ہو تم نے پہلے ہی اللہ اللہ کا ورد کرنا شروع کر دیا ہے ابھی تو تم میرے ہی نام کا ورد ٹھیک طرح سے نہیں کر سکتے۔ یہ تمہاری غلطی ہے مطلب یہ کہ مرشد کی راہنمائی کے بغیر گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا۔

آداب شیخ

تمام صوفیائے کرام اس بات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں کہ جب تک مرید کے دل میں اپنے شیخ کے لیے مناسب ادب کے جذبات موجود نہ ہوں اس وقت تک عبادات اور مجاہدات اپنا پورا اثر نہیں دکھاتے۔ ان اولیائے کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ تصوف سارے کا سارا ادب ہی ہے۔ یہ اس لیے کہ تصوف کا دارومدار عشق پر ہے اور عشق میں اول تا آخر ادب کی ضرورت ہے۔ انسان کے لیے تصوف ایک زینت اور جمال ہے اور ادب تصوف کی روح رواں ہے۔ مولانا رومؒ نے مثنوی میں ادب پر بہت طویل کلام لکھا ہے۔ ''بے ادب محروم ماند از فضل رب'' یعنی بے ادب اللہ کے فضل سے محروم رہتا ہے۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ بے ادب نہ صرف اپنی روحانی دنیا کو خراب کرتا ہے بلکہ پورے عالم میں فساد کی آگ لگا دیتا ہے۔

ابو القاسم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ عبادت سے آدمی جنت تک پہنچ جاتا ہے۔ مگر اطاعت الٰہی میں ادب بجا لانے سے اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔ ابو علی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص بادشاہ کی محفل میں بے ادب بیٹھے گا تو اس کی جہالت اسے

قتل کروا دے گی۔ زیادہ علم حاصل کرنے کے مقابلے میں تھوڑا سا ادب حاصل کرنا زیادہ ضروری ہے۔ خدمت کے دائرے میں رہ کر ادب خدمت سے بھی بالاتر ہے۔ بلکہ صوفیاء کے نزدیک عبادت سے بھی بالا تر ہے۔ کیونکہ عبادت رد ہوسکتی ہے مگر خدمت اور ادب ضائع نہیں ہوتے۔

ادب پر صوفیائے کرام کی چند مثالیں

حضرت ابو الحسن خرقانیؒ نے وصیت فرمائی کہ ان کی قبر حضرت بایزید بسطامیؒ کی قبر سے تین فٹ گہری کھودی جائے تا کہ بایزید کی قبر سے اونچی نہ رہے۔ مولانا حسان الدین مولانا رومؒ کے خاص مرید تھے۔ مولانا اپنے پیر کا اس قدر ادب کرتے کہ مرشد کے گھر وضو کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ اگر کبھی آدھی رات کے وقت مولانا کو وضو کی حاجت ہو جاتی تو اپنے گھر جا کر وضو کرتے۔ حالانکہ آپ کا گھر مولانا روم کے گھر سے دو میل کے فاصلے پر تھا۔ ابوعلی دقاقؒ جب اپنے مرشد کے پاس جاتے تو پہلے غسل کرتے پھر جاتے۔ مگر آپ کے مرید ابو القاسم قشیریؒ جب ابوعلی دقاقؒ کے پاس جاتے تو پہلے روزہ رکھتے پھر غسل کرتے اور پھر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ اپنے پیر کے دروازے پر پہنچ کر شرم و حیا کی وجہ سے دروازے ہی سے لوٹ آتے اور اگر مدرسے کے اندر داخل ہو بھی جاتے تو بدن پر سنسنی سی طاری ہو جاتی۔ آپ فرماتے ہیں اگر ان کی مجلس میں بیٹھ بھی جاتا تو سوال کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔

ابن عطارؒ فرماتے ہیں جو اپنے نفس کو بے ادبی پر قائم رہنے دیتا ہے اور اس کی مخالفت نہیں کرتا تو اس کا نفس مطلق العنان اور سرکش بن جاتا ہے۔ جس کے ظاہر میں ادب نہیں وہ باطنی حسن ادب سے بھی محروم رہ جاتا ہے۔ اس کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مریدین جن میں ادب نہیں پایا جاتا ان کا طریقت کی اعلیٰ منزلوں پر فائز ہونا ہرگز ممکن نہیں۔

ادب سے دین ملتا ہے اور مراد بھی

صوفیائے کرام کا قول ہے کہ طریقت میں جو گستاخی کرے وہ ہمیشہ کے لیے راندہ طریقت اور نامراد رہتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے غضب اور اولیائے کرام کے غضب سے بچائے۔ کیونکہ اولیائے کرام جس طرح نسبت کے عطا کرنے پر کامل قدرت رکھتے ہیں اسی طرح نسبت سلب کرنے پر بھی پوری قدرت رکھتے ہیں اور ایک ہی بے التفاتی میں صاحب نسبت کو مفلس کر دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں یہ بات سچ ہے کہ جو دے سکتے ہیں لے بھی سکتے ہیں۔ مشائخ سے بے ادبی کرنے والوں کو کسی جگہ سے بھی فیض نہیں مل سکتا۔ اگر کوئی اپنے شیخ سے کسی چیز کے متعلق شبہ رکھتا ہو تو اسے خود اپنی کوتاہی کی طرف منسوب کرے۔ اور اگر اپنے شیخ کو قصور وار تصور کرے تو وہ ان بزرگوں کی برکات سے محروم رہتا ہے۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں اپنے شیخ کے متعلق دل میں برا خیال پیدا کرنا زہر قاتل کی طرح ہے۔ جو اس کی روحانی دُنیا کو برباد کر سکتا ہے۔ لہٰذا صوفیائے کرام نے مریدین کو آداب کے لیے سخت تاکید فرمائی ہے اور اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ مرید شیخ کی مجلس میں جائے تو بالکل خاموش بیٹھے اور جب تک شیخ نہ کہے گفتگو نہ کرے۔ شیخ کے کلام کو غور سے سُنے۔ ہنسنے سے گریز کرے۔ شیخ کے سامنے اپنا مصلیٰ نہ بچھائے کیونکہ اس میں سجادہ نشینی کی بو آتی ہے۔ مرید اپنے شیخ کے علاوہ کسی دوسرے سے اصلاح کی توقع نہ رکھے اور صرف ایک شیخ سے ہی وابستہ رہے۔ اپنے شیخ سے کسی کو بہتر تصور نہ کرے۔ جس قدر اپنے شیخ سے محبت ہوگی اسی قدر روحانی درجات بلند ہونگے۔

پیر کی آزمائش نہ کرو

موجودہ دور میں بیعت کرنے والے لوگوں میں یہ رجحان عام پایا جاتا ہے کہ وہ اپنی حاجات و مشکلات کو شیخ کے پاس لے جاتے ہیں اور اگر ان کی سب مرادیں پوری ہو جائیں تو وہ یہ تصور کرتے ہیں کہ ان کا شیخ کامل ہے۔ لیکن اگر خدانخواستہ مرید کے دس کاموں میں سے ایک بھی ادھورا رہ جائے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا شیخ کامل نہیں۔ عام مسلمانوں کو یہ معلوم نہیں کہ ان کے کاموں کا مدار بہت سارے عوامل پر ہوتا ہے۔ کچھ کام بہت آسانی سے ہو جاتے ہیں کچھ کام بہت مشکل اور محنت کے بعد ہوتے ہیں ۔ کچھ کام ایسے ہیں جو تقدیر مبرم کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا بدلنا عموماً ممکن نہیں ہوتا۔ کچھ کام ایسے ہیں جو نبیوں کے لیے بھی آزمائش کی خاطر مرہون وقت ہوتے ہیں اور وقت سے پہلے ان کا ہونا منظور خدا نہیں کچھ کام ایسے بھی ہوتے ہیں جنکے نہ ہونے میں انسان کی بہتری ہوتی ہے۔ چنانچہ مشکلات کے دفع ہونے یا نہ ہونے سے کسی بزرگ کے رُتبے کا تعین نہیں کرنا چاہیے۔

مولانا روم نے اس موضوع پر بہت کلام کیا ہے اور ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ مرید اپنے کمزور ترازو میں پیر جیسے بڑے پہاڑ کا وزن کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور آخر میں آپ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مرید اپنے پیر کا امتحان کرے تو وہ سب سے بڑا گدھا ہے۔

مرید کی کامیابی کے لیے چند نکات

خلاصے کے طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اگر کوئی مرید اپنی بیعت سے استفادہ کرنا چاہتا ہے تو درج ذیل باتوں کی ضمانت فراہم کرے تا کہ وہ کامیاب ہو سکے:

i- پیر کے ہر حکم کو جان و دل سے تسلیم کرے۔ شکوک اور بحث و مباحثے میں نہ الجھے۔

ii- اتباع شریعت کا جس طرح حکم دیا جائے کرے۔ خود کو شیخ سے افضل تصور نہ کرے۔

iii- بیعت کا مقصد وصال الٰہی ہونا چاہیے۔ دنیاوی کام اگرچہ مرشد کے فیض نظر سے ہو جاتے ہیں، مگر کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے پر مرشد کے ساتھ تعلقات کی بنیاد نہ رکھے۔

iv- دل و جان سے شیخ کی محبت کو اپنائے اور اس کی خدمت کو سعادت دارین تصور کرے۔

v- راہ سلوک میں محنت و مشقت سے کام لے۔ تاکہ وہ پیر کی نظروں میں آ جائے اور اس کے معاملات درست ہو جائیں۔

vi- راہ طریقت کے معاملات اور تصانیف کا مطالعہ کرتا رہے۔

vii- مراقبہ اور حضورِ قلب کی اس قدر مشق کرے کہ مقام شہود پر فائز ہو جائے۔

خانقاہی نظام کی کامیابی

تاریخ عالم گواہ ہے کہ تبلیغ اسلام کے سلسلے میں جتنی کامیابی خانقاہی نظام کو حاصل ہوئی ہے کسی اور تبلیغی ادارے کو میسر نہیں آئی۔ خانقاہی نظام سے مراد اولیاء اللہ اور مشائخ عظام کے وہ تعلیمی تربیتی اور تبلیغی مراکز ہیں جو عالم اسلام میں حضور ﷺ کے زمانے سے لیکر آج تک مختلف سلاسلِ طریقت کے اکابرین نے نسل در نسل ہر ملک، ہر علاقے، ہر صوبے، ہر گاؤں اور ہر شہر میں قائم کیے۔ اس خانقاہی نظام نے ایسے ایسے مرد مجاہد پیدا کیے جو صدق و صفا کے پیکر، حرص و ہوا سے پاک نفسانی الائشوں سے مبرا اور ایثار و قربانی کے عدیم المثال نمونے تھے۔ اس چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں مشائخ اسلام کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ جنہوں نے

اپنے اپنے مقام پر تبلیغی اور تربیتی مراکز قائم کیے جو خانقاہ کے نام سے موسوم ہیں۔ اس طرح خانقاہوں اور مبلغین اسلام کی تعداد مسلسل بڑھتی رہی۔ جس کی بدولت اسلام بہت مختصر عرصے میں دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گیا۔ اسلام کی یہ روحانی تنظیم کس قدر مکمل، مضبوط اور دیر پا ہے کہ اُمت محمد یہ ﷺ پر ہزاروں طوفان آئے لیکن جہاں بڑی بڑی سیاسی سلطنتیں اور تنظیمیں برباد ہوگئیں، بڑی بڑی مذہبی تحریکیں مٹ گئیں، بڑے نامور مبلغ، مصلح اپنا مقام کھو بیٹھے، لیکن سلاسل طریقت کی بنیادیں مسلمانوں کے قلوب کے اندر اس قدر گہری چلی گئی ہیں اور مشائخ عظام کے قدم مبارک کے نقوش نے ایسی پائیدار صورت اختیار کر لی ہے کہ یہ اعلیٰ و ارفع تنظیم خداوند عالم کے فضل و کرم سے مشائخ عظام اور اولیاء کرام کی کوششوں سے اب تک رواں دواں ہے اور تا قیامت رواں دواں رہے گی۔